ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

**صائمہ سعید**

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

**ڈاکٹر حاکم علی برڑو**

اسسٹنٹ پروفیسر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

# سرائیکی افسانے میں عورت کے تصور کا تانیثی و تنقیدی جائزہ

**Saima Saeed**

Ph.D Scholar, Department Pakistani Languages, Allama Iqbal Open University, Islamabad

**Dr. Hakim Ali Burioro**

Assistant Professor, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

## The Representation of Women in Saraiki Short Stories, A Feminist Critical Discourse Analysis

This research aims to study the Saraiki short stories of different male and female writers by using the lens of social feminism with special reference to Behavior's approach towards female identity. The analysis shows that most of writers portray women as human beings with equal rights and aspirations. Saraiki writers have portrayed most of their characters in accordance with gender stereotype that are mostly reflected in their description of appearance, domestic behavior, occupation and personality traits. Saraiki short stories depict female as a symbols respect, resistance and champions of equal rights, where they are shown to be struggling against orthodox notions of honor and gender discrimination. For a realistic portrayal, the misogyny, sexual perversion, power abuse, derogatory languages and incapacity of men have also been highlighted, mainly visible in physical appearance, in domestic behavior, in her occupation and in her personality traits. Seraiki short stories portrayed female as symbols of respect, resistance and champions of equal human rights, where they are shown to be struggling against the orthodox notions of honor and gender discrimination. For a realistic portrayal, the

misogyny, sexual perversion, power abuse, derogatory language and incapacity of men have also been highlighted. Matussat Kalanchwi, Shimma siyal ,Amir Faheem, Bushra Rehmani, Habib Mohana, Hafiz Khan, are prominent writers who broke the conventional lens of patriarchy by accepting female identity as an individual ,however , their focus on objectification and body shaming of women is still not at par with the requirements of true feminist representative of today's world, given how feminism has entered its fourth phase in the west, there is need to make the woman seen and understood as one of us ''human'' rather than an ''Other'' who is merely there to serve and satisfy the needs of men.

**Keywords:** *Short Story, Female, Identity, Social Feminism, Gender.*

تانیثیت معاشرے میں موجود سماجی ناہمواریوں اور استحصال سمیت پدر شاہی سماج کے خلاف آواز اٹھانے اور روایتی سوچ کی نفی کا نام ہے۔ تانیثی فکر مغربی اور مشرقی فہم کے تنقیدی نظریات اور تصورات پر مسلسل اثر انداز ہوتی آرہی ہے اور یہ آواز ہر طبقہِ خیال سے بلند ہوئی۔ اگرچہ ان تانیثی نظریہ سازوں کا موقف ادبی متون میں موجود پدرسی سماج کے تحت افتراقی یا ترجیحاتی نظام کی شناخت کرتے ہوئے نفی کرنا ہے۔ یہ سماج صنفی اصلاحات کا سہارا لیتے ہوئے مردانہ صفات یعنی بہادری، شرافت، جرئات، متحمل مزاجی، ذہانت، اولوالعزمی، اور تفاخر کا انتخاب کرتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابل بزدلی، دھوکا، بے صبری، جذباتیت، اطاعت پسندی، اور جنسی لوازمہ کو نسائی خاصہ قرار دیتا ہے۔ تانیثیت کے مباحث مغرب سے آئے اگرچہ جمہوریت، بچوں کے حقوق، انسانی حقوق جیسے نظریات بھی مغرب سے مستعار لیئے گئے مگر جب خواتین کے حقوق کی بات آئی تو اسے مغرب زدگی کے نام پر رد کرنے اور مخالفت کا نشانہ بنایا گیا۔ تانیثت پسندی صنف سے ماوراہے مرد عورت کی المناک صورت حال کا احساس اور نمائندگی کر سکتا ہے۔ مگر مشرق میں ریڈیکل نقطہ نظر کی حمایت شاید ہی کسی نے کی ہو۔

**ڈاکٹر نیئر عباس نیئر لکھتے ہیں؛**

> "فیمنسٹ ہونے کے لیئے آپکا عورت ہونا لازمی نہیں۔ تانیثیت پسند ہونے کا سادہ مطلب، عورت کو ایک باشعور، مکمل انسانی وجود سمجھنا ہے جو خود انتخاب اور فیصلے کرنے اور ان کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور جو سماجی رویے ثقافتی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

روایتیں، نظریات، تصوارات اور قوانین، عورت کو انسانی وجود سمجھنے میں حائل ہیں۔ان کے خلاف احتجاج کرنا ہے۔"(۱)

تانیثیت پسند ہونے کیلئے صنف کی قید نہیں۔ مگر ہمارا سماج عورت کے تصور کیلئے مخصوص فکر کا ساتھ دیتا ہے نہ کہ سچائی کا۔مذہب، سیاست اور عورت اس سماج کے مخصوص فکر کے عکاس اور مربوط خیالات کے حامی ہیں۔ مقتدرہ طاقتوں نے عورتوں کو "دوجا" کی حثیت طور جوڑ کے سٹیریوٹائپ کردار کی نمائندگی کی ہے۔اگر عورت کے مقدر کو جسمانی، نفسیاتی، سماجی وثقافتی اور معاشی وسیاسی قوتوں کی جانب سے تعین شدہ یا اٹل مان لیا جائے تو عہد جدید کی تفہیم ادھوری رہ جائے گی۔

اگر اس تحریک کے تاریخی پس منظر پر نگاہ دوڑائی جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تحریکِ نسواں کا آغاز انقلاب فرانس کے اولین دور ۱۷۸۹ء میں ہوامیری وال سٹون کرافٹ کی تصنیف۱۷۵۹۔۱۷۹۷ء"ونڈیکیشن ٹو رائیٹس آف وویمن"۱۷۹۲ تانیثیت کی پہلی تصنیف قرار پائی۔اُنیسویں صدی کے آواخر میں سامنے آنے والا مقالہ"اون دی سبجوگیشن آف وویمن"بھی اہمیت کا حامل ہے۔۱۹۰۸ءمیں سیسلی ہملٹن نے "وویمن رایٹرز سفر تج لیگ" قائم کی جس کے اراکین میں کئی صحافی، دانشور اور ڈرامہ نگار تھے انہوں نے اس تحریک کو اپنے فن و فکر سے تقویت دی۔الزبتھ رابنس نے سی اے رابنس کے نام سے ۱۹۰۸ء میں "ووٹ فور وویمن"ڈرامہ پیش کیا۔اسطرح ورجینا وولف کی "نائٹ اینڈ ڈیز"برنارڈشاہ کی "پریس کٹنگ"تانیثیت کی تحریک میں سنگ میل ثابت ہوئی ہیں۔اس کے علاوہ پین کھرسٹ اور ری پیتھیک لارنس نے کئی مقالہ جات اس تحریک کی حمایت میں لکھے۔جیسا کہ "داکومن وویمن سفر تج"اور "داجرنل کاز ووٹ فور وویمن"وغیرہ۔دوسری جنگ کے بعد اس تحریک میں شدت پیدا ہوئی انگلستان میں ۱۹۸۵ء کے ایکٹ تحت صنفی امتیاز کو غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے۔۱۹۸۰ء کے لگ بھگ تانیثی رجحان کے ساتھ افسانوی ادب کے فن اور ہیروئینوں کا نئے انداز میں محاکمہ کیا ہے۔ورجینا وولف کی "آ روم وونز آوون"۱۹۲۹ء کے اولین مقالہ نگاروں میں سے ہے۔سائیمن دی بوواز کی۱۹۴۹ء میں "داسیکنڈ سیکس"بڑا کارنامہ ہے۔اسکے مطابق "عورت محض وہی کچھ ہے جسکا فیصلہ مرد دے، لہذا اسے جنس کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ مردوں کی نظر میں بنیادی طور پر ایک جنسی وجود ہے۔ مرد کے لیے وہ جنس ہے، مطلق جنس۔ عورت کو مرد کے حوالہ سے متعین اور ممتاز کیا جاتا ہے لیکن مرد کو عورت کے حوالہ سے نہیں۔ عورت بنیادی کے مقابلہ میں غیر بنیادی ہے۔ مرد موضوع ہے وہ مطلق ہے۔"

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

جولیا کرستیوا جو ماہر لسانیات بھی تھی نے ۱۹۸۰ء میں فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہونے والی کتاب "دا ریوولیوشن ان پوئٹک لینگوئج" تانیثیت کے بنیادی ڈسکورس کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ ۱۹۸۰ء میں "پاور آف ہورر" ۱۹۸۷ء میں "ٹوبی لوو" ۱۹۹۱ میں چھپنے والی "ڈیپریشن اینڈ میلکینی" اور "سٹرینجرز ٹو آور سلیوز" وغیرہ میں پدرانہ نظام کے تحت نفسیاتی اثرات کے زیر اثر ثقافت کو مردانہ بنایا گیا۔ اور معاشرے میں عورتوں کو درپیش محرومیوں کے اسباب تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ایلن شوالٹر نے اس تحریک کو تین رو میں تقسیم کیا جو فیمینائن دور، فیمنسٹ دور، اور فیمیل دور میں تقسیم ہے۔ اس وقت تانیثیت کی چوتھی لہر چل رہی۔ پہلی لہر میں ووٹ کے حق کی بات کی، دوسرے میں معاشی برابری اور پیشہ ورانہ شعبوں میں مساوات کے حقوق منوائے، اور تیسری لہر میں عورتوں کی زبان، ادب، میڈیا، میں نمائندگی کے طریقوں کو چیلنج کیا، جبکہ چوتھی لہر وائٹ فیمنزم کے خلاف ہے اور عورتوں متعلق بڑھتے جنسی جرائم کے خلاف سوشل میڈیا پر آواز بلند کرنا ہے۔ ۲۰۰۶ء میں شروع ہونے والی "می ٹو موومنٹ" شروع ہوئی پر اس میں شدت چوتھی لہر کے دوران میں آئی۔

**قاضی افضال حسین لکھتے ہیں:**

> "ادب کا تانیثی مطالعہ احتجاج یا عوامی نعرے قلق کرنے کے بجائے تحلیل و تجزیہ کا فن ہے۔ جہاں تانیثیت کی سماجی تحریکات پدری نظام کے بنیادی تصورات کو رد کرتی اور ایک نئے معاشرتی / معاشی مادی توازن کی تشکیل کے لیے کوشاں ہیں۔"(۲)

جدید سرائیکی ادب کے افسانہ نگاروں نے عورت کو حیاتیات، تحلیلی نفسیات اور تاریخی مادیت میں دیکھ کر اسے علامتی، تجریدی، تمثیلی اور استعارتی تجربوں سے گذار کر صنفی امتیاز کے مدِمقابل سرائیکی خطہ کی آواز بنائی ہے۔ سرائیکی ادب میں افسانہ کی بنیاد قصہ کہانی سے پڑی ان کہانیوں میں بادشاہ اور شہزادوں کے قصے اور جنگ وجدل کی کہانیاں، فتح وشکست، طاقت ودولت کے حصول کیلئے کی جانے والی سازشوں کا مرکزی کردار زیادہ تر عورت ہی رہی ہے۔ عورت بطور ماں، بہن، بیٹی، یا محبوبہ کے ہو وہ قصے کے ہیرو کے لیئے سخت آزمائش یا امتحان کی حثیت رکھتی ہے۔ عورت کا حصول مرد کیلئے فخر کا باعث رہا ہے اور یہی احساسِ تفخر ہر دور میں مرد کو طاقتوراور عورت کو کمزور ثابت کرتا آیا ہے۔ یہ کہانیاں مرد کی مخصوص نفسیات کی عکاسی کرتے ہوئے عورت کو ذاتی ملکیت سمجھتے ہوئے مرد کی محتاج باور کراتی ہے جو الگ وجود اور شناخت نہیں رکھتی۔ ۱۹۶۰ کے بعد آنے والا سرائیکی افسانوی ادب عورت کے تصور کو عالمی تحریک کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتا اور نسائی مسائل کو موضوع بناتا ہے۔ سرائیکی لکھاری غلام حسن

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

حیدرانی ایک روایت پرست لکھاری ہیں جس کے ہاں عورت ثانوی اور مرد بنیادی حثیت رکھتا ہے۔انکا افسانہ "خدا" مرد "سعید" کو خدائی صفات کا حامل قرار دیتے ہوئے اُسے عورت کے مقابل زیادہ باحیاء، باوقار، اور اپنے احساسات و جذبات پر قابو رکھنے والا انسان ٹھہراتا ہے۔جبکہ عورت نسرین کے کردار کو خوف، مجبوری، کمزوری اور بے بسی سے جوڑ کر اُس کے لیئے دانستہ طور پر کمتر اور لاچار ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔غلام حسن حیدرانی عورت کو جینڈر سٹیریو ٹائپ تصورات سے پُکارتا ہے، اُسے ڈکھ سڑی، اُکھڑی کوہاڑی، حرام زادی، کھوتی، ناقص العقل جیسے نام دیتا ہے۔اسکے علاوہ عورت کو حسن کی دیوی مانتے ہوئے اسکے وجود کی شناخت بطورِ "شے" کرتا ہے۔

**ڈاکٹر نسیم اختر کے مطابق:**

> "غلام حسن حیدرانی دی کہانی وچ عورت دا کردار اپڑے تمام تر توانائیں سودھا نظر نئیں آندا۔بلکہ ہک مرد دی عینک نال ڈٹھا گیا معاشرتی کردار نظر آندے۔"(۳)

غلام حسن حیدرانی کی عورت روایات سے جُڑی مگر کمزور مخلوق ہے جسے اپنی بقاء کے لیئے مرد حوالہ کی ضرورت ہے وہ اکیلے اس سماج کے مطلبی اور مادیت پرست مردوں کا شکار بنتی ہے اور بطور بیوہ، پہاج، طلاقیافتہ، بانجھ جیسے ٹیبوز سے بندھی ہوئی دیکھائی دیتی ہے۔مرد ادیبوں کے ہاں تانیثی رویوں کا اظہار جس نقطہ ء نظر سے ہوا ہے، وہ عورت کے عورت پن کو اہمیت دیتے ہیں نہ کے اس کے خیالات کو، وہ کیا سوچتی ہے، کیا محسوس کرتی ہے، کیا چاہتی ہے۔کیونکہ عورت کے حقوق کی بات کرنا اور بات ہے، اس کی فکر کے پوشیدہ گوشوں تک رسائی حاصل کرنا دوسری بات ہے۔مرد اور عورت معاشرتی نظام میں اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہیں۔روایتی سوچ کے مالک مرد اس زعم میں مبتلا ہیں کہ اگر وہ عورت کے حق کے لیے آواز بلند کر رہے ہیں تو یہ ان کی انفرادیت ان کی برتری اور ان کی اعلیٰ ظرفی ہے۔نسائی رویوں پر مردانہ حاکمیت کے اسباب کی تلاش کرتے ہوئے خود عورت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔اگر مردانہ حاکمیت کے رویوں کو ممیز کرنے میں خود عورت ایک معاون کردار ہے تو برتری کا تمام الزام مرد کو نہیں دیا جاسکتا ہے۔درحقیقت حاکم کو طاقت اور ظلم کرنے کی اجازت مظلوم کی طرف سے ملتی ہے۔اگر مظلوم اپنے وقت کی آواز بن جائیں، اٹھے ہوئے ہاتھ کو روک لیں تو ظلم روکا جاسکتا ہے۔ہمارے ادب میں بہت سی خواتین افسانہ نگار عورت اس سماج کے صنفی تضادات اور تفرقات سے لڑنے کے بجائے اسی میں جینے اور برداشت کرنے اور اپنی جان کی قربانی سے اپنی الگ شناخت قائم کرنے کی تبلیغ کرتی نظر تی ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

سرائیکی ادب کے ایک اور افسانہ نگار عامر فہیم جسے علامتی افسانہ نگار ہونے کا اعزاز حاصل ہے کہ ہاں عورت کا وجود عہد جدید کے تقاضوں کا عکاس ہے وہ اس سماج کی ریتوں،رویوں کی عکاسی تمثیلی انداز سے کرتے ہوئے فرسودہ سوچ پر ماتم کرتے نظر آتے ہیں۔انکا افسانوی مجموعہ "جاگدی اکھ دا خواب" میں موجود افسانہ "سوجھلا" اس تاریک سوچ کے لیئے مشعلِ راہ ہے اس افسانے کے کردار "زیر" اور "زَبر" اس پدرسی سماج کے عورت اور مرد ہونے کی علامت ہیں۔وہ یہاں کردار "زِیر" عورت کو دقیانوسی خیالات کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے بطور جنسی لوازمہ اور محض جنسی تسکین کا ذریعہ باور کراتا ہے۔یہاں عورت کا بطور اپاہج "لوہی" کے طور پر اپنا مکمل انحصار مرد پر رکھنا ایک شعوری کاوش ہے۔صدیوں سے عورت کو کم ہمت،کمزور اور مرد پر انحصار کرنے والی کے طور پر ہماری سوچ کا حصہ بنایا گیا ہے۔بنیادی طور پر ہمارے سماج نے عورت کو ایک طفیلی کردار بنا دیا ہے جسکی زندگی کا انحصار مرد کے وجود پر ہے۔ہمارا پدرسی نظام مرد کو آزاد اور عورت کو اُسکے تابع جانتا ہے۔

**Simon de beviour believes in ''Second Sex'' says;**

> "Humanity is male and man defines woman, not in herself, but in relation to himself, she is not consider an autonomous being. She is inessential in front of the essential. He is the subject, he is the absolute. She is the other" (۴)

عورت کا تعارف مرد ذات کا محتاج ہے،مرد مطلق اور بنیادی ہے جبکہ عورت غیر ضروری اور دُوجا کے ہے۔مردانہ سماج میں عورت کو عظیم ہونے کیلیئے اندھا،گونگا اور بہرہ ہونا شرط ہے وگرنہ سوچ وچار اور غوروفکر کرنے اور مزاحمت کرنے والی عورت کو باغی سمجھتے ہوئے اُسے قتل،ونی،کاروکاری،جیسے انجام تک لایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ عورت کو طلاق یافتہ کا دھبہ لگا کر اُس پر مزید کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے۔عامر فہیم عورت کو شئے کے بجائے جیتی جاگتی،احساس و جذبات رکھتی انسان سمجھتا ہے۔ان کے ہاں عورت مرد سے زیادہ مضبوط،طاقت ور، سمجھ دار،اور ذہین ہے

"میڈی نسیں داساہ مُک گئے۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔میں آپ لوہا لنگڑا تھی گیاں۔"(۵)

عامر فہیم اس سماج کے طاقت ور مرد کو ایک دن کیلیئے عورت کی جگہ لینے کی چنُوتی دیتا ہے۔اور اس سماج کی بدصورت روایات میں جکڑی عورت کے رویوں کو اپنانے کی آزمائش دیتا ہوئے عورت کی ہمت کو داد دیتا ہے۔مرد کو عورت کی بے بسی،لاچاری اور مجبوریوں کا اندازہ صرف اُسکی جگہ لینے سے ہوتا ہے۔عورت جو ذاتی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

شعور، فہم اور طاقت رکھنے کے باوجود پدر سی اُجارہ داری کے تحت اندھی، گونگی، بہری اور اپاہج بننے پر مجبور کی جائے تو اس سماج کی سفاکی کو ثابت کرنے کے لیئے کافی ہے۔

بتول رحمانی کے افسانے میں موجود عورت مسلسل جدوجہد کا نشان بنتے ہوئے ان سماجی مسائل کو نمایاں کرتی اور ہمت واستقامت کیساتھ مقابلہ کرتی نظر تی ہے۔وہ "ماسی مُراداں" کی صورت میں بیوگی جیسے ٹیبو کے ساتھ اولاد کی تربیت کرتی ہے "بھلیکے" افسانہ کی عورت مرد کی مسلسل ناانصافیوں اور زیادتیوں کے باوجود اپنی اولاد کیلئے طاقت کی علامت بن کر اُبھرتی ہے۔وہ سماج کی پسماندہ سوچ کو عیاں کرتی ہے۔"مہرو" افسانہ کی عورت بے جوڑ شادی کے باعث ماں باپ کی عزت کالحاظ رکھتے ہوئے سماجی استحصال کی بلّی چڑھ جاتی ہے۔

> "چھوٹے لادیاں منگاں، بے جوڑ شادیاں، زورے دے گلانویں، اے سب بھولے بزرگاں دیاں خوفناک ضداں ہن۔۔۔ اے بزرگ۔۔۔ہا اے بزرگ مجرم ہن، ناہید دے مجرم! ناہید سنویاں بیاں نینگراں دے مجرم، بیہوں سارے نینگراں دے مجرم، میڈی لوں لوں چیک چیک تے انہاں مجرماں کوں ہکلاں مارنڈگ پئی۔ کوئی آوے، کوئی تاں آوے تے اینکوں جواب ڈیوے، اے سوالیہ نشان کتھ کتھ نی ابھرے۔۔۔ جواب کوئی نی ڈیندا، مجرم اپنڑا بھرم رکھی ودِن" (۰۶)

بتول رحمانی کی عورت بطور ماں طاقت، جُراءت، ہمت اور مزاحمت کی علامت ہے افسانہ "ماء یا عورت" میں شاہداں مضبوط اعصاب کی مالک ہے جو ان فرسودہ ریتوں کے خلاف مزاحمت کرنا جانتی ہے۔اسطرح افسانہ نگار غزالہ احمدانی کے ہاں عورت کا تصور دورِ حاضر کی نمائندگی کرتے ہوئے مزاحمت، ملامت کی علامت بنتے ہوئے نیا بیانیہ کی بنیاد ڈالتا ہے۔وہ عورت کا تعارف حُسن کی دیوی کے بجائے اُسکی ذہانت، قابلیت اور دانش مندی سے کراتی ہے۔انکا مجموعہ "اج دی ماروی" میں موجود افسانہ "اُوبن ہر تخلیق ادھوری" کی سارہ حقوقِ نسواں کی حامی اور بہترین مُقرر ہونے کا اعزاز رکھتے ہوئے اپنی ذہانت اور قابلیت سے اپنے وجود کا تعارف بنتی ہے اس سماج کے بالاتر مرد "مون" کی سوچ جو اُسے کیڑے مکوڑے جانتے ہوئے اُسکی ذات کی تذلیل کرتا ہے۔سارہ اپنے وجود کو مکمل عورت کی ذات سے جوڑتے ہوئے کہتی ہے۔

> "تُساں اُوندے بغیر ادھورے ہو۔" (۰۷)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

شیما سیال کے ہاں بھی عورت کے حقوق خاطر آواز بُلند کرنا اور قدامت پرستی، دقیانوسی خیالات کی تردید کرنا اور مزاحمت کی علامت بنے رہنے کا اشارہ ملتا ہے۔ اُنکے افسانہ "آڈیکھ موہنجو داڑو" میں بڑی بہن جو قدیم استحصالی روایات کی بھنٹ چڑھتی ہے چھوٹی بہن کو اس عفریت سے بچاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اسطرح وہ مردانہ سماج کو قبول کرتے ہوئے بھی بغاوت کا عَلم بُلند کرتی ہے۔ شیما سیال نے ان تاریک روایات کا سدباب اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں یا اپنی ماں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں سے نہ سہی مگر اپنی چھوٹی بہن کے لیئے ان بوسیدہ روایات کے خلاف اُسکی ڈھال بن کے کیا ہے۔ اس سماج کے فرسودہ رواجوں میں سے ایک رواج جائیداد کا خاندان سے باہر نکل جانے کے ڈر سے بیٹیوں کے بے جوڑ رشتے کرنا اور پھر نہ نبھنے کی صورت میں عورت کا پوری جوانی اپنے باپ کی دہلیز پر بیٹھے رہنا ہے۔ مزید یہ کے عورت کی ڈھلتی عمر میں مرد اپنی بالادستی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے طلاق بھیجوا دیتا ہے۔ شیماء سیال اس جاگیر دارانہ نظام کی بالادستی اور جبر کو باپ اور بیٹی کے درمیان ہونے والی گفتگو سے کرتی ہے، جب ایک پڑھی لکھی باشعور بیٹی کو باپ اپنے جاہل اور آوارہ بھتیجے کو سونپ دیتا ہے اور اُسکی زیادتیوں کے باوجود اور گھر اُجڑ جانے کے باوجود اپنی چھوٹی بیٹی کو بھی اپنی زد پر قربان کرنے کے درپے ہوتا ہے تو وہ بہن کو بچانے کے لیئے اس فیصلے کے خلاف باپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے مگر مرد چاہے باپ کا ہی روپ ہو وہ اس پدرسری صنفی امتیاز کا پرچاریوں کرتا نظر آتا ہے

> "توں کونڈ ہیں ادھ وچ بولنڈ آلی۔۔۔ تہاڈی شریعت ہے جو دھی تاں دھی ماں کوں وی بولنڈ دی اجازت کائنی ڈیندی تے میکوں ہگاں منجھ سمجھدی ہے۔۔۔۔ توں گستاخ نابکار میڈا مقابلہ کریندی۔۔۔ تیڈی اہمیت کیا ہے"(۰۸)

**According to Simom de beviour in ''Second sex'' believes that;**

> "We are urged, "Be women, stay women, become women". so not every female human being is necessarily woman, she must take part in this mysterious and endangered reality known as femininity." (۰۹)

عورت بنے رہنے کا تصور سماجی کاوش کا حصہ ہے اور اُس کے لیئے برتے گئے صنفی امتیازات بھی سماجی وثقافتی منصوبوں کا حصہ ہیں۔ عورت کو گائے بھینس سمجھتے ہوئے کسی کیلے کے ساتھ باندھ دینا اور اُس کے مقدر کا

سکندر صرف اس سماج کے دیوتا سمان مرد سے منسوب کرنا پدر سری سماج کی دانستہ کاوش ہے۔ اسلم عزیز دُرانی کے ہاں نئی سوچ کی نوید ملتی ہے انکا افسانوی مجموعہ "سیجھ دا سنیہا" میں موجود افسانہ "ڈاج ڈکھاں دا" اس سماج کے بنائے گئے ٹیبوز اور سٹگماز کی نفی کرتا نظر تا ہے۔ انکا کردار یاسمین معاشی خود مختاری کا حوالہ ہے جو نہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے سماجی بُرائیوں سے لڑتی ہے بلکہ اپنے والدین کی معاشی کفالت کا باعث بھی بنتی ہے۔ اسلم قریشی کے ہاں بھی عورت روایات کے نام پر قربان نہیں ہوتی بلکہ اپنی خواہشات کا احترام کرتے اواسے مقدم سمجھتے ہوئے اپنے فیصلے آزادی سے لینے کی جُراءت رکھتی ہے۔ انکا افسانوی مجموعہ "کیکر اند" میں شامل افسانہ "ضدل" اس قدامت پرستی کے تسلسل کو توڑنے کی اہم کاوش ہے۔ کردار "سومی" ہو یا "بانو" خود کو مرد کے حوالے سے لاچار، بے بس ثابت کرنے کے بجائے اپنی ذاتی رائے اور خواہش کو مقدم سمجھتے ہوئے طاقت کی علامت بنتی ہیں۔

> "نوکری توں کرنی نئیں۔۔۔ سومی تہاڈی منگ نئی۔۔۔ جوان دھیاں کوں زبان مل گئی ہے جو مرضی الاونڑ جو دل آکھے فیصلے کرنڑ، کئی لوڑ نئیں وڈیاں دی قیامت دی نشانی ہے بیا کیا ہے۔۔۔ میں فقیرنی بنڑ تے بانو دی ڈات جھولی پاگھناں ہا۔۔۔ تُساں اپنڑی محبت وچ ترٹ تے نماٹنے تھی سگدے وے، پر سومی نماٹنی نیں تھی سگدی بھانویں مر کیوں نہ ونجے۔"(۱۰)

اسلم قریشی کے ہاں عورت اپنی آزاد رائے رکھتے ہوئے مزاحمت کرنے کی جُراءت رکھتی ہے اور سماجی فرسودہ ڈھانچہ کو توڑنے کی تگ ودو میں ہے۔ عورت کو ہمیشہ ہر حال میں مرد کی خوشنودی اور پیروی کرنے کی تاکید ہمارے پدرسی سماج کی دین ہے۔ عورت کے عزت دار ہونے کا حوالہ بھی مرد کے وجود کا محتاج ہے وگرنہ اُسکے وجود ا کو اپنی منفرد اور ذاتی شناخت بنانے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسلم قریشی کی تحریر سے ان سٹریو ٹائپ تصورات اور عورت کے لیئے برتے گئے ڈیروگیٹری ٹرمز کے خلاف کھولا احتجاج ملتا ہے۔ اسطرح سرائیکی افسانہ نگار حبیب مُہانڑہ کے ہاں بھی عورت کی نمائندگی عین پدرسی سماج کی عکاس ہے انکا افسانوی مجموعہ "سیتلاں دے داغ" میں موجود افسانوں کے عنوانات اور موضوع ڈویاراں دی ماء، سانگھا، اللہ بیلی، جیونڑ داڈ اند، ربڑی پتلے، سیتلاں دے داغ، چٹی چڑی، ولد اڈو آنے نہ منگساں، پنج نہری، پوکھوں، کالا سوجلا وغیرہ میں موجود عورت کے بارے میں اُنکا رویہ تضادات کا شکار ہے۔ وہ اپنے افسانے "ربڑی پتلے" کو عورت کی علامت بناتے ہوئے ایک جیتی جاگتی عورت سے بھی اسطرح جنسی آسودگی اور خود سپردگی کا تقاضہ کرتا ہے۔ آجکل "ڈول سیکس" یا "مینی کوئنز" سے جنسی روابط

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**
ماخذ تحقیقی مجلہ

درحقیقت مرد کی پدرسی جبلت کے عکاس ہیں اس افسانے میں دُوکان کے ملازم کا "ڈمی" کو عورت تصور کرتے ہوئے اپنے مردانہ برتری کا اظہار اسی سوچ کی کڑی ہے۔

"او پہوڑی چڑہدا سیٹھ کوں اُٹھاوٹ گیا۔ اوں تاک دی کُنڈی ہٹی اوندا نائیک نندر پیا ہئی ہک غلامی ڈمی فیشنی جوڑا پاتی اوندے نال سُتی پئی ہئی" (۱۱)

انکا افسانہ "سانگا" وومن اینٹی وومن نفسیات کا حامل ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ وہ عورت ہی ہے جو عورت کے گھر کو تباہ کرتی ہے۔ اس افسانے کا راوی "مصنف" مردانہ بالا دستی کے تمام ہتھ کنڈوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف عورت کو رشتوں کے بگاڑ کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ یہ افسانہ، راوی کی سوچ پر مبنی ہے جس میں وہ سمجھتا ہے کہ رابعہ کو چاؤ سے بیاہ کر لے جانے کے بعد وہاں موجود عورتیں اسکا جینا حرام کر دیں گی۔ تانیثیت کے حوالے سے یہ سوچ مردانہ معاشرے کو ایک بڑی رعایت دینے کے مترادف ہے۔ افسانہ "پوکھوں" میں بے جوڑ رشتوں، مرد کی بے وفائی، اور غیرت کے نام پر عورت کی بے حرمتی ایسے موضوعات کو تحریر کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں عورت جوبنی اور عیدو کے درمیان آنے والی دوسری عورت "نوری" کے لیئے برتے گئے الفاظ حبیب موہانہ کی پدرسری سوچ اور جانبدارانہ رویہ کا عکاس ہے۔ اس افسانہ کے متن کے مطابق مرد عیدو نے جوبنی کی جگہ اگر نوری کو دی ہے تو اس میں سارا قصور نوری کا ہے یہاں نوری کو بدکردار، حرامل، اُدھلی ہوئی، بدمعاش، اور کنجری جیسے القابات سے مطعون کیا گیا ہے۔

"وڈسے اے چھلے کتوں گھدے نیں؟۔۔۔ اے میڈے اپڑسے ہن بابا دیرے وچوں گھن آئے۔۔۔ لہاانہاں کوں حرامل۔۔۔ اُدھلی کہیں جھا دی، بد معاش رن، لہا تکھے تھی۔۔۔ 'توں ولا اوں کنجری کوں نہ ملسیں؟۔۔۔" (۱۲)

مسرت کلانچوی عورت کو حیاتیات، اور تحلیل نفسی کے حوالے سے ایک مکمل انسان ہونے کی تفہیم دیتی ہے۔ اپنے افسانوی مجموعہ میں وہ اس دور کے عمومی رجحانات کی پیروی ہی نہیں کرتی بلکہ اپنے انفرادی انداز سے عورت کے باطنی احساس اور اس کے پیچیدہ نفسی کیفیات کو بھی بیان کرتی ہے۔ مسرت کلانچوی اپنے مشاہدے، احساس اور اسلوب سے بحثیت بطور فرد عورت کے باطنی مسائل اور سماجی اُلجھنوں کے بیان پر قادر نظر آتی ہے۔ سیمون دی بووا کے مطابق عورت ہی نسوانی دنیا کو گہرائی سے جانتی ہے۔ اس ہی دنیا میں اس کی جڑیں ہیں۔ عورت کی شناخت کو جوہری خصائص اور دوسری اختراعی اور ثقافتی خصائص میں بانٹا گیا ہے۔ سرائیکی وسیب جیسے نو آبادیاتی سماج میں

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

عورتوں کی مرکزی ثقافتی بیانیے میں اپنی عمل داری اور شراکت داری کا مطلب معاشی اور ثقافتی کنٹرول کا حصول ہے۔ مسرت کے افسانہ "نندر" کی زہرہ معاشی حوالے سے خودمختاری کی بھاگ دوڑ میں اور سنگل پیرنٹ ہونے کی ذمہ داری کو باخوبی نبھانے کے لیئے ان ثقافتی بانڈریز کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر سماجی دباؤ کی شکار عورت بنیادی انسانی حقوق سے محرومی جیسے مسائل کا سامنا کرنے والے سماج میں دوہری محکومیت کی علامت بنتی ہے۔ مسرت کے افسانہ "ان وانٹڈ" میں نوری ناپسندیدہ مخلوق کے طور پر مردانہ بالادستی کے ہاتھوں ہمیشہ سے مرد کی ملکیت بنے رہنے کا نشان ہے۔ منگیتر قمرو سے خاوند کی طلاق تک نوری ہمیشہ سے اپنی زندگی کے فیصلوں میں دوسروں کی محتاج رہی۔ مگر کہانی کے اختتام میں مسرت کلانچوی نوری کو جرائت، مزاحمت اور انکار کی علامت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ وہ قمرو کی جاگیر بننے اور دوسری ماں بننے سے انکار کرتے ہوئے اپنے وجود کے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ مسرت نے اس سماج کے سٹیریو ٹائپ تصورات کی نفی عورت کے مزاحمت کرنے کی طاقت سے کی ہے، یہی وجہ کہ وہ ان فرسودہ روایات میں رہتے ہوئے بھی عورت کی عزتِ نفس کو بحال رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ افسانہ "ساری عمر گزاریم" میں مہروالنساء باحثیت بیٹی، بیوی اور ماں کبھی بھی وہ عزت اور توجہ نہ حاصل کر سکی جسکی وہ حقدار تھی، گھر بسانے کے لیئے اُسے اپنے وجود کی نفی کرنا پڑی مگر انسانی حقوق کے حوالے سے اُسکی ذاتی کاوش اور سوچ اُس کے مکمل انسان ہونے کی دلیل ہے۔

> "میڈم ساکوں دھیاں ہٹّار کھا ہئی۔۔۔ اوبہوں ڈیندی ہئی۔۔۔ یونیفارم، کتاباں، ڈیندی ہئی۔ ڈاجڈ تا ہئی۔۔۔ میڈی امی فوت تھئے۔۔۔ آہدے ہن میں جو تیڈی ماء دی جاہ ہاں۔۔۔"(۱۳)

مسرت کلانچوی افسانوں میں عورت بطور جنسی لوازمہ، تسکین کا ذریعہ، اور ایک "شے" کے طور پر برتے جانے کے خلاف بھر اظہار ملتا ہے۔ افسانہ "تریہہ" میں "مومل" کو جنسی تسکین کے حصول کے لیے اغوا کر لیا جاتا ہے یہی رویہ پدرسری سماج میں عورتوں کو کمزور اور صرف جنسی ضرورت سے منسوب کرتے ہوئے اُسکے استحصال کا باعث بنتا ہے۔ وہ افسانہ "بند تاکی" میں جاگیردارانہ نظام کے باعث استحصال کا شکار بننے والی خواتین کی حالتِ زار کو بہت تلخ انداز میں بیان کرتی ہے۔ جائیداد کی خاطر اپنی بہن "آشاں" کو کریم بخش نے ساری زندگی ماں باپ کے دروازے پے بٹھائے رکھا مگر خود جنسی عارضہ میں مبتلاء ہونے کے باوجود صاحبہ نامی لڑکی سے شادی کی۔ ہمارے معاشرے میں بے جوڑ شادیوں کو عیب نہیں سمجھا جاتا، یہاں تک کہ عورت کو عزت دار ہونے کا ثبوت

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

دینے کے لیئے خاوند کے ادھورے پن کو بھی اپنا ادھورا پن قرار دینا پڑتا ہے۔ کریم بخش کی بہن اس جائیداد کے استحصالی چکر میں ساری زندگی بھائی کے دروازے پر گزار دیتی ہے۔

**ڈاکٹر مشتاق وانی اپنی کتاب "اردو ادب میں تانیثیت" میں لکھتے ہیں:**

> "ایک زمانے میں عورت خاندان کی سرپرست ہوا کرتی تھی۔ لیکن جب ذاتی ملکیت کا نظام قائم ہوا تو وراثت کا مسئلہ اُبھر کر سامنے آیا اور اس حل کرنے کیلئے ایک بہتر وارث کی جستجو شروع ہوئی اس کی اساس پر خاندانی اور شادی کے ادارے وجود میں آئے۔ چنانچہ مادری نظام ختم ہوا اور پدری نظام قائم ہوا۔ جہاں عورت کی سرپرستی تو دور کی بات وہ ایک شریکِ حیات کے بجائے جائیداد خیال کی جانے لگی۔"(۱۴)

مسرت کلانچوی آشاں اور صاحبہ کے درمیان ہم جنسی کی بڑی وجہ معاشرے میں ایسے مرد کے ادھورے پن کو قرار دیتی ہے۔ جو جسمانی خصائص کی کمی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور نفسیاتی سطح پر بھی ابتری کا شکار ہو، مرد خود کو ہر حوالے سے برتر جانتے ہوئے یہ ماننے پر تیار ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی کسی کمی کی وجہ سے سماج میں دُھتکارا جا سکتا ہے۔ مسرت نے اپنے افسانوں میں اس سماج کی عورت کو حیاتیات، تحلیلی نفسیات، سماجی، سیاسی اور تاریخی مادیت میں دیکھتے ہوئے جدید ادب میں علامتی، تجریدی، تمثیلی اور استعاراتی تجربوں سے گذر کر صنفی امتیاز کے مدِ مقابل سرائیکی خطہ کی مؤثر آواز بنایا ہے۔

مردانہ دانش نے عورت کو جس زاویے سے دیکھا، اس کے حیاتیاتی اور نفسیاتی وجود کو جن مفروضات کی زد میں پرکھا، وہی زاویے اور وہی مفروضات عورت سے متعلق سماجی و ثقافتی بیانیوں کی تشکیل میں شامل ہوئے۔ عورت کو انسان اور انسانی خصوصیات کے تناظر میں دیکھنے کے بجائے ان نظریات، رسمیات اور اقتدار کے سیاق میں سمجھا گیا، جس کے تحت عورت محض جذباتی مخلوق ہے جبکہ عقل مرد کی میراث ہے۔ مادیت پسندی، شر، فساد، جذباتیت، کم عقلی، کمزوری اور مغلوبیت عورت کی جبلت کا حصہ بنا اور طاقت، ذہانت، بہادری، روحانیت، غلبہ اور عقل مرد کا اختصاص قرار پائے۔ حکماء کے کھینچے گئے دائرہ پر سوال اٹھانے کے لیے مجبور اور مقہور عورت کو ہزاروں سال انتظار کرنا پڑا۔ اسی انتظار کے آخری سرے پر تانیثی فکر نے جنم لیا۔ حفیظ خان اس رجعتی نظام کے خلاف عورت کی صنفی آزادی کے لیئے قلم اُٹھاتے ہوئے خود بھی کسی مردانہ دباؤ کا شکار ہے۔ وہ عورت کے وجود کو مرد کی جبلی خواہشات پورا کرنے کا ذریعہ باور کراتے ہوئے اپنے افسانے

"جھات دے اندر گھات" میں بھوگے اور زرینہ کے تعلقکو جنسی سطح پر ہراساں کرنے سے بڑھ کر جنسی تشدد تک لے جاتا ہے۔ بھوگے کا اپنی لے پالک بیٹی زرینہ کے لیئے جنسی رحجان رکھنا مرد کی فطرت سے زیادہ نفسیاتی خلل کی پیشگوئی کرتا ہے۔ زرینہ کے ساتھ اُس کا جنسی تشدد اُسکیدبی خواہشات کا مظہر ہے۔زرینہ کی معصومیت اور جنسی عمل سے لاعلمی کا فائدہ پدر سری سماج کا ہر مرد اُٹھاتاہوا نظر آتا اور اسکا تعارف اس کے وجود کے حصوں کی ماسکہ کاری سے کرتا دکھائی دیتا ہے۔

"بھوگے دی دید تاں کہیں ہئے پاسے ہئی، زرینہ دے سینے دیاں گولائیاں تے جیرڑھیاں فالسے دی چھمک کنوں وی ودھ لچکیلے بت دی ہولی جئی لوڑ نال ٹپے مار مار قمیض کوں اندروں لیر ولیر کرن دی کوشش وچ ہن"۔(۱۵)

حفیظ خان کے افسانے "جھات دی گھات" کا درج بالا متن کا ایک ایک لفظ عورت کے بارے میں اُنکی تلذز پرستی کو عیاں کر رہا ہے۔ عہدِ بلوغت میں داخل ہوتی ہوئی ایک لڑکی کے جسم کو جسطرح سے بیان کیا گیا ہے، یہاں افسانے سے ہٹ کر توجہ افسانہ نگار کی طرف جاتی ہے۔ حفیظ خان اپنے افسانہ "گھمر گھیر دا گھیر" میں بھی عورت کو جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ جانتے ہیں۔ غلام حسین کنیز اں کو اپنی ملکیت جانتے ہوئے بس اپنی جبلی خواہش کو پُورا کرنے کیلئے تعلق رکھتا ہے جبکہ بطور بیوی اُسکے مسائل اور احساسات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ عورتوں کو ازدواجی تعلق میں لانے کے بعد گھریلوں ذمہ داریوں سے اس قدر جوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے احساسات اور جذبات سے قدرے بیگانہ ہو جاتی ہیں۔ مرد اس حوالے سے عورت کے ثقافتی وسماجی دباؤ کو ختم کرنے کے بجائے اسے نظر انداز کرنا اپنی مردانگی سمجھتا ہے۔ یہی رویہ شدت اختیار کرنے پہ مردوں کا عورتوں کیلئے "عورت بیزاری" اور پھر تشدد کا سبب بنتا ہے۔ افسانہ "نگدی نئیں نبھدی نئیں" میں رحمٰن کا سارا کے حوالے سے عورت ذات کیلئے اُسکا رویہ بہت متشدد اور سفاکیت پر مبنی ہے۔ وہ عورت کو ایک غلط مکھی، شیطانی صفات کی مالک، بُرائی کی جڑ، حقیر مخلوق مانتے ہوئے اُسے اپنے بستر پر ذلت سے دوچار کرتا ہے۔ وہ برہنہ حالت میں عورتوں پہ تھوکنے اور اُلٹی کرنے سے اپنی نفرت اور اُنکے کمتر ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ رحمن نزہت جیسی پڑھی لکھی عورت جو شعور کے ساتھ اپنی رائے کی اہمیت اور غلط بات پہ مزاحمت کرنا جانتی ہو کو، پر تسلط حاصل نہیں کر سکتا تو اُسکی مردانگی کو ٹھیس پُہنچتی ہے۔ جسکا انتقام وہ عورت کی ہر روز تذلیل کر کے لیتا ہے۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)



"اپنٹیں انکار نال میڈی اناتے آکڑ دی عملداری وچ بغاوت داطبل وجاڈتا۔ ورنہ کیاہا خاص اوندے وچ، ہک عورت، عام تام عورت، بہوں عورت جئی، جیہڑی میڈے گھر وچ ای لاتھی ہئی تے بسترے تے وی۔"(۱۶)

وہ عورت کے طور پر صرف اپنی خوف زدہ بیوی فوزیہ ہی کو برداشت کر سکتا ہے جو نہ صرف اُسکی عزت کرے بلکہ اُسے اُسکے عیبوں سمیت قبول کرے۔ ہمارے سماج میں عورت کو بچپن سے ایک بات سمجھائی جاتی ہے کہ انکھوں، کانوں اور زبان سے اندھا، بہرہ اور گونگا بن کر رہنا ہے تاکہ گھر بس سکے ورنہ مرد پاؤں کی جوتی سمجھتے ہوئے عورت بدلنے کی قوت اور حق رکھتا ہے۔ میرے خیال میں حفیظ خان کا اپنے افسانوں میں عورت کو ذلت کی اس حد تک لے جانا تانیثیت کے برخلاف رویہ ہے۔

"میڈی ہر رات گھر توں باہر گزردی ہئی، ہک نویں عورت دے نال تے فوزیہ ایندے باوجود خوش ہئی"(۱۷)

ہمارا سماج نہ صرف فوزیہ جیسی روایتی سوچ کی مالک عورتوں کا استحصال کرتا ہے بلکہ نزہت جیسی باشعور اور پڑھی لکھی عورت کو بھی اپنی بالادستی کا شکار بناتا ہے۔ نزہت کو مزاحمت کرنے کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی اس سماج میں باہر کام کرنے اور اپنی آزاد رائے کی قیمت "ہراساں" ہونے سے چُکائی اور اُس نے مرد کی اس خصلت کے خلاف اپنا باغیانہ رویہ اختیار کرکے اُس سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ نزہت، رحمن کے بستر میں اُسے باور کراتی ہے کہ محبت کی شراکت کے بجائے محض جسم کی شراکت کو ترجیح دیتے ہوئے اس پدرسری سماج کے خلاف وہ اپنا غصہ اور نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ حفیظ خان کا افسانہ

"تن من سیس سریر" اس پدرسی سماج کے بنائے گئے اسٹیریو ٹائپ تصورات اور معیارات کو ظاہر کرتے ہوئے عورت جنداں کو اُسکی زیادہ عمر ہونے اور کالی رنگت اور موٹاپے کی وجہ سے تذلیل اور تحقیر کا نشانہ بناتا ہے۔ مردانہ سماج میں عورت کے جسم کی قدر اُسکے حُسن کی دیوی ہونے سے ہے۔ ہمارا سماج "بوڈی شیمنگ" سے عورت کے وجود کی تذلیل کرتا ہے۔ حفیظ خان نے جنداں کے جسمانی خدوخال کو جس انداز میں بیان کیا ہے وہ ازخود غیر تانیثی رویہ ہے۔ کیونکہ عالمی فکشن میں عورت کے گورے یا کالے، خوبصورتی کا اظہار متروک ہو چُکا ہے۔ عورت کے بارے میں حسن یا بدصورتی کا تضاد ناپسندیدہ قرار پا گیا ہے۔ جنداں کے بارے حفیظ خان کا ایک بیانیہ ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)**

ماخذ تحقیقی مجلہ

"جنداں نال گالھ کریندے وی کریت تھیندی ہئی۔۔۔ کالے گوشت دا پُلپلا پہاڑ سینے تے سوار تھی ویندا تاں جوانی دا صدقہ کڈھنا ای پئے ویندا"(۱۸)

مُراد عورت کو جنسی خواہشات پورا کرنے سے جُوڑ کر اُسکی ذات کی نفی کرتے اور اُسے کالا گوشت، پُلپلا پہاڑ سے تشبیہ دے کر نہ صرف روایتی سوچ کا پرچار کرتا ہے بلکہ اپنے خوابوں کی شہزادی کو "بُھلاں رانُی"، حوراں، پریاں، چھکیہوئی کھٹ، کے ناموں سے تشبیہ دیتے ہوئے افسانہ نگار حظ اُٹھاتا نظر آتا ہے۔ "پھاتی پھنکی" کی نسیم بھی حسن کی دیوی، وفادار، محبتوں کا پالن رکھنے والی اور قربانیاں دینے والی کے نام سے متعارف کرائی گئی ہے۔ جبکہ افسانہ "حاصل جمع" کی شہلا باشعور اور مزاحمت کرتے ہوئے اپنا نیا بیانیہ ریکارڈ کرانے کی قوت رکھتی ہے۔ حفیظ خان اپنے بیشتر افسانوں میں مرد کی انا کی پروش کرتا ہے اور انا کی شکست سے خوفزدہ ہے۔ اسطرح وہ عورت کے دکھ کو بیان کرتے ہوئے بھی اُسے تذلیل کی آخری حد تک لے جاتا ہے۔

دور حاضر میں عورت کی نمائندگی کیلئے اُسکی جسمانی خدوخال کی تذلیل ، تعریف کرنا مقصود نہیں، اُسے لاچاری اور بے بسی کے پردے میں قابلِ رحم مخلوق باور کرانا بھی مقصد نہیں، سماج کی صنفی بانٹ اور دقیانوسی تصورات پر آہ وزاری کرنا تانیثت کے حامی ہونے کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ میری رائے میں سرائیکی افسانہ نگار، بطور مرد لکھاری اور عورت لکھاری، نے عورت کے تصور کیلئے لجلجا پن سے کام لیا ہے۔ عورت کے لیئے آواز بُلند کرنے کیلئے اُسے جنسی لوازمہ ٹھہراتے ہوئے حظ اُٹھانے اور نہ ہی اُسے رنگ روپ اور باڈی شیمنگ سے ٹارگٹ کرتے ہوئے موضوع بحث بنانے کی ضرورت ہے۔ تانیثت کی اس چوتھی لہر کا حامی بننے کے لیئے وومن آف کلرز کی بات کی تائید میں عورت کا تعارف ہر قسم کے امتیازات سے بالاتر باحثیت انسان ہونا چاہیے۔

## حوالہ جات


۱۔ نئیر عباس، ڈاکٹر، "یہ قصہ کیا ہے معنی کا" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲، ص:۵۶

۲۔ قاضی افضال حسین، متن کی تانیثی قراءت، آدھی عورت، پورا ادب، مرتبین، ڈاکٹر عقیلہ جاوید، ڈاکٹر حمادرسول، شازیہیا سمین، شکیل حسین سید، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۷، ص:۱۲۷

۳۔ اسلم رسولپوری، سرائیکی ادب وچ معنی دا پندھ، سرائیکی پبلیکیشنز رسولپوری، لاہور، ۲۰۱۴، ص:۴۲۸

4. Simon De Beauvior, The Second Sex, Vintage Books A Division of Random House INC, New York, P:۲۶

۵۔ عامر فہیم، "جاگدی اکھ داخواب"، ڈیرہ غازی خان: الکمال اشاعتی ادارہ، ۱۹۷۸ء

۶۔ بتول رحمانی، "سانجھ" سرائیکی ادب مجلس، بہاولپور، ص:۵۹۔۶۰

۷۔ غزالہ احمدانی، ڈاکٹر، "اج دی ماروی"، ملتان: جھوک پبلشرز، ۲۰۰۰ء

۸۔ شیما سیال، "آڈیکھ مونجھو داڑووچ"، مشمولہ: ماہنامہ "سرائیکی ادب" ملتان، جون ۱۹۹۶ص:۲۶۔۲۷

9. Simon De Beauvior, The Second Sex, Vintage Books A Division of Random House INC, New York, P:۲۳

۱۰۔ اسلم قریشی، "کیکر اند"، بہاول پور: سرائیکی ادبی مجلس، ۲۰۰۲ء، ص:۱۸۹

۱۱۔ حبیب موہانہ، "سیتلاں دے داغ" دستک پبلیکیشنز، ملتان، دسمبر ۲۰۱۴، ص۱۱۷

۱۲۔ مسرت کلانچوی، "مسرت کلانچوی، تھل ماروواپینڈا، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۵ء، ص:۳۰

۱۳۔ مشتاق وانی، ڈاکٹر، "اردو ادب میں تانیثیت" ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۳، ص:۱۴

۱۴۔ حفیظ خان، "اندر لیک داسیک،" الصمد پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۴، ص:۳۶

۱۵۔ حفیظ خان، اندر لیک داسیک، الصمد پبلکیشنز، لاہور، ۲۰۰۴، ص:۵۵

۱۶۔ حفیظ خان، اندر لیک داسیک، الصمد پبلکیشنز، لاہور، ۲۰۰۴، ص:۵۶

۱۷۔ حفیظ خان، ویندی رُت دی شام، ملتان: پاکستان سرائیکی رائیٹرز گلڈ، ۱۹۹۰ء، ص:۳۰